قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر: ابوسعید

Online Edition

منگل 31 مارچ 2020ء 6 شعبان 1441 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 78

ارشاد باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ (الاعراف:56)

ترجمہ: اپنے ربّ کو عاجزی کے ساتھ اور مخفی طور پر پکارتے رہو۔ یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فرمانِ رسول ﷺ

اعمال کی حقیقت

حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال ایک برتن میں پڑی شئے کی طرح ہیں جب برتن میں پڑی شئے کا نچلا حصہ اچھا ہوتو اس کا اوپر کا حصہ بھی اچھا ہوتا ہے اور جب اس کا نچلا حصہ گندہ اور خراب ہو تو اوپر کا حصہ بھی گندہ اور خراب ہوتا ہے۔ (یہی حال اعمال کا ہے) (ابن ماجہ ابواب الزھد باب التوقی علی العمل)

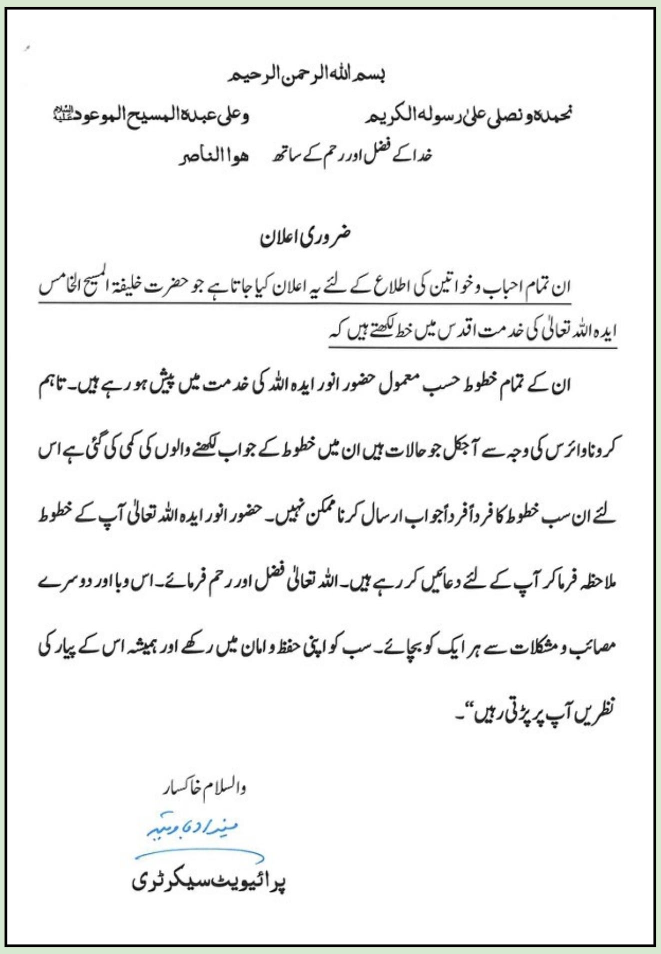

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ   ھوالناصر

ضروری اعلان

ان تمام احباب و خواتین کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں خط لکھتے ہیں کہ

ان کے تمام خطوط حسب معمول حضور انور ایدہ اللہ کی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں۔ تاہم کروناوائرس کی وجہ سے آجکل جو حالات ہیں ان میں خطوط کے جواب لکھنے والوں کی کمی کی گئی ہے اس لئے ان سب خطوط کا فرداً فرداً جواب ارسال کرنا ممکن نہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کے خطوط ملاحظہ فرما کر آپ کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل اور رحم فرمائے۔ اس وبا اور دوسرے مصائب و مشکلات سے ہر ایک کو بچائے۔ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمیشہ اس کے پیار کی نظریں آپ پر پڑتی رہیں"۔

والسلام خاکسار

منیر احمد جاوید

پرائیویٹ سیکرٹری

ضروری اعلان

مکرم منیر احمد جاوید پرائیویٹ سیکرٹری لندن لکھتے ہیں:

ان تمام احباب و خواتین کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں خط لکھتے ہیں کہ

ان کے تمام خطوط حسبِ معمول حضور انور ایدہ اللہ کی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں۔ تاہم کرونا وائرس کی وجہ سے آجکل جو حالات ہیں ان میں خطوط کے جواب لکھنے والوں کی کمی کی گئی ہے اس لئے ان سب خطوط کا فرداً فرداً جواب ارسال کرنا ممکن نہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کے خطوط ملاحظہ فرما کر آپ کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل اور رحم فرمائے۔ اس وبا اور دوسرے مصائب و مشکلات سے ہر ایک کو بچائے۔ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمیشہ اس کے پیار کی نظریں آپ پر پڑتی رہیں۔

اس شمارہ میں

- قدیم الہامی کتب میں مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئیاں
- ایک نوجوان کے دو سوالوں کا جواب
- محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کے خود نوشت حالات

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحاتِ قلم

متقی کی بعض دعاؤں کے پورا نہ ہونے کی حکمت

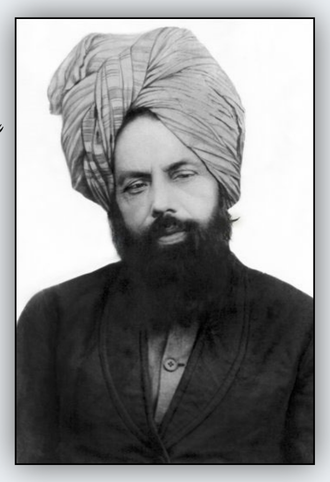

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دُعاؤں کی قبولیت کا فیض ان لوگوں کو ملتا ہے، جو متقی ہوتے ہیں۔ اب میں بتاؤں گا کہ متقی کون ہوتے ہیں۔ مگر ابھی میں ایک اور شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ جو متقی ہوتے ہیں۔ بظاہر اُن کی بعض دعائیں اُن کے حسبِ منشاء پوری نہیں ہوتی ہیں، یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کی کوئی بھی دعا درحقیقت ضائع نہیں جاتی، لیکن چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس دُعا کے نتائج اس کے حق میں کیا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کمال شفقت اور مہربانی سے اس دُعا کو اپنے بندہ کے لئے اس صورت میں منتقل کر دیتا ہے، جو اس کے واسطے مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ جیسے ایک نادان بچہ سانپ کو ایک خوبصورت اور نرم شے سمجھ کر پکڑنے کی جرأت کرے یا آگ کو روشن دیکھ کر اپنی ماں سے مانگ بیٹھے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ماں خواہ وہ کیسی ہی نادان سے نادان بھی کیوں نہ ہو۔ کبھی پسند کرے گی کہ اُس کا بچہ سانپ کو پکڑے یا اپنی خواہش کے موافق آگ کا ایک روشن کوئلہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ اُس کی زندگی کو گزند پہنچائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور عالم الکل ہے اور مہربان ماں سے بھی زیادہ رحیم کریم ہے اور ماں کے دل میں بھی یہ رأفت اور محبت اُسی نے ڈالی ہے وہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ اگر اس کا عزیز اپنی کمزوری اور غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے لئے دعا کر بیٹھے جو اس کے حق میں مضرت بخش ہے تو وہ اس کو فی الفور منظور کرلے۔ نہیں بلکہ وہ اس کو ردّ کر دیتا ہے اور اس کے بجائے اس سے بھی بہتر اُس کو عطا کرتا ہے اور وہ یقیناً سمجھ لیتا ہے کہ یہ میری فلاں دُعا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اپنی غلطی پر بھی اس کو اطلاع ملتی ہے۔ غرض یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ متقیوں کی بھی بعض دُعا قبول نہیں ہوتی۔ نہیں اُن کی تو ہر دُعا قبول ہوتی ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی کمزوری اور نادانی کی وجہ سے کوئی ایسی دُعا کر بیٹھیں جوان کے لئے عمدہ نتائج پیدا کرنے والی نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس دُعا کے بدلہ میں اُن کو وہ چیز عطا کرتا ہے، جو اُن کی شے مطلوبہ کا نعم البدل ہو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 378)

دربارِ خلافت

اطاعت میں ہی تمام برکتیں ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ 27۔ اگست 2004ء میں فرمایا۔

’’ہم سب پر فرض بنتا ہے کہ ہم حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے بعد اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق قدرت ثانیہ کے اس جاری نظام کی بھی مکمل اطاعت کریں اور اپنی اطاعت کے معیاروں کو بلند کرتے چلے جائیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اطاعت کے معیاروں کو حاصل کرنے کے لئے قربانیاں بھی کرنی پڑتی ہیں اور صبر بھی دکھانا پڑتا ہے۔ پھر دنیاوی لحاظ سے بھی جو حاکم ہے اس کی دنیاوی معاملات میں اطاعت ضروری ہے ۔ کسی بھی حکومت نے اپنے معاملات چلانے کے لئے جو ملکی قانون بنائے ہوئے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔ آپ اس ملک (برطانیہ) میں رہ رہے ہیں یہاں کے قوانین کی پابندی ضروری ہے بشرطیکہ قوانین مذہب سے کھیلنے والے نہ ہوں، اس سے براہ راست ٹکر لینے والے نہ ہوں جیساکہ پاکستا ن میں ہے۔ احمدیوں کے لئے بعض قوانین بنے ہوئے ہیں تو صرف اُن قوانین کی وہاں بھی پابندی ضروری ہے جو حکومت نے اپنا نظام چلانے کے لئے بنائے ہیں۔ جو مذہب کا معاملہ ہے وہ دل کا معاملہ ہے ۔یہ تو نہیں ہو سکتا کہ قانون آپ کو کہے کہ نماز نہ پڑھو اور آپ نماز ہی پڑھنا چھوڑ دیں۔ تو بہرحال جو بھی نظام ہو، دنیاوی حکومتی نظام ہو یا جماعتی نظام یا مذہبی نظام اُن کی اطاعت ضروری ہے۔ سوائے جو قانون، جیسا کہ میں نے کہا ،براہ راست اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سے ٹکراتے ہوں۔ تودینی لحاظ سے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا دوسرے مسلمانوں کو فکر ہو تو ہو احمدی مسلمان کو کوئی فکر نہیں کیونکہ ہم نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے اپنا بندھن جوڑ کر اپنے آپ کو اس فکر سے آزاد کر لیا ہے کہ کیا ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور جن امور کی وضاحت ضروری تھی کہ کون کون سے امور شریعت میں وضاحت طلب ہیں ان کی بھی ہمیں حضرت مسیح موعودؑ سے وضاحت مل گئی کیونکہ ہمیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک لائن بتا دی، تمام امور کی وضاحت کر دی کہ اس طرح اعمال بجا لاؤ تو یہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اختلافی معاملات کے حل کے لئے جب لوگ علماء، مفسرین یا فقہاء سے رجوع کرتے رہے تو ہر ایک نے اپنے علم، عقل اور ذوق کے مطابق ان امور کی تشریح کی۔ اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے اپنے اپنے حلقے میں اپنی طرف سے نیک نیتی سے یہ تمام امور بتائے۔ مگر آہستہ آہستہ جن امور میں مفسرین اور فقہاء کا اختلاف تھا ان کے اپنے اپنے گروہ بنتے گئے اور یوں فرقے بندی ہو کر مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے رہے اور لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہے اور اس تفرقہ بازی نے مسلمانوں کو پھاڑ دیا۔ لیکن اب اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے خداتعالیٰ کی طرف سے ہدایت پا کر ہمارے لئے صحیح اور غلط کی تعیین کر دی ہے۔ پس احمدی کا فرض بنتا ہے کہ وہ اطاعت کے اعلیٰ معیار قائم کریں تبھی وہ جماعت کی برکات سے فیضیاب ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے جیسا کہ میں نے کہا قربانیاں بھی کرنی پڑتی ہیں اور صبر بھی دکھانا پڑتا ہے۔ کسی کے ایمان کے اعلیٰ معیار کا تو تبھی پتہ چلتا ہے جب اس پر کوئی امتحان کا وقت آئے اور وہ صبر دکھاتے ہوئے اور قربانی کرتے ہوئے اس میں سے گزر جائے۔ اس کی انا اس کے راستے میں روک نہ بنے۔ اس کا مالی نقصان اس کے راستے میں روک نہ بنے۔ اس کی اولاد اس کے اطاعت کے جذبے کو کم کرنے والی نہ ہو۔ جب یہ معیار حاصل کر لو گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ انفرادی طور پر تمہارے ایمانوں میں ترقی ہو گی اور جماعتی طور پر بھی مضبوط ہوتے چلے جاؤ گے۔ بعض لوگ ذاتی جھگڑوں میں نظام جماعت کے فیصلوں کا پاس نہیں کرتے یا ان فیصلوں پر عملدرآمد کے طریقوں سے اختلاف کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور اپنا نقصان کر رہے ہوتے ہیں۔‘‘ (الفضل 23 نومبر 2004ء)

ہمارے حضرتِ مسرور آقا

جہاں میں حق کی ہیں آواز حضرت
ہیں کرتے آپ پہ ہم ناز حضرت

ہمارے حضرت مسرور آقا
ہماری جان اور دَم ساز حضرت

خلافت سے ہمیں قلبی محبت
خدائی اِس میں ہیں انداز حضرت

اُلوہی نغمگی جس سے ہے اُٹھتی
وہ دِین مصطفیٰ کا ساز حضرت

جہاں میں حق کی ہیں للکار کرتے
خُدا کے شیر یہ جانباز حضرت

بلاتے جب بھی قربانی کی خاطر
کریں پہلے وہ خود آغاز حضرت

گواہی اس کی دیتا ہے زمانہ
دِکھاتی ہے دُعا ، اِعجاز حضرت

ہے یاری آپ کی تو آسماں سے
فرشتے آپ کے ہمراز حضرت

یہ کچھ پل آپ کی صحبت میں رہنا
سمجھے حکمراں اعزاز حضرت

ہمارے آپ ہیں محمود دِل کے
اور ہم ہیں آپ کے ایاز حضرت

تیرے دیوانے ہم ہیں تیرے عاشق
تمہی دلبر تمہی دَم ساز حضرت

تمہی ہو بادشاہ ربّ کے زمیں پہ
تمہی ہو دیں کے بھی شہباز حضرت

تمہیں دیکھیں تو آنکھیں وِرد کرتیں
محبت کی نمازِ ناز حضرت

مری بستی کے ہجری چاند ہو تم
ہے تم پہ مان اور ہے ناز حضرت

عبدالجلیل عبادؔ۔ جرمنی

مبارک احمد منیر۔ برکینا فاسو

قدیم الہامی کتب میں مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئیاں

حضرت مسیح موعودؑ نے چودہویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کر تمام مذاہب کے لوگوں کے انتظار کو ختم کر دیا

دنیا کے تمام مذاہب کی کتب میں آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان مصلح کے ظہور کا ذکر ملتا ہے ۔ہندو اپنے کرشن کا انتظار کررہے ہیں ، زرتشت ازم والے سوشیانت کا انتظار کررہے ہیں، بدھ ازم والے بدھا، کے انتظار میں ہیں۔ جس کو انہوں نے متیا کا نام دیا ہے ۔ اسی طرح یہود، عیسائی اور مسلمان آخری زمانہ میں مسیح موعود کے آنے کا انتظار کررہے ہیں ۔ ہندوؤں کی کتاب بھگوت گیتا میں لکھا ہے کہ

’’جب کبھی دھرم کا اناش (بگاڑ) ہونے لگتا ہے اور آدھرم (لامذہبیت) کی زیادتی ہونے لگتی ہے تب میں اوتار دھان (ظہور) کیا کرتا ہوں نیکیوں کی حفاظت گناہگاروں کی سرکوبی اور دھرم کی امامت کے لئے میں اوتار لیا کرتا ہوں۔‘‘

(بھگوت گیتا صفحہ 30ادھیائے نمبر 4اشلوک نمبر 8،7)

’’جب ویدوں کی دی گئی تعلیمات اور شریعت ختم ہونے کو ہوگی اور کالکی کے دوبارہ ظہور ہونے کا وقت قریب ہوگا ، تو ایک حصہ پیشگوئی کا اس کی اپنی روحانی تجلی یعنی براہما کے ذریعے ہوگا۔ جو کہ شروع اور آخر ہے جو سب چیزوں پر حاوی ہے۔ وہ زمین پر آئے گا.........وہ زمین میں تقویٰ کو دوبارہ پھیلائے گا اور وہ لوگ جو کالکی کے زمانے کا انتظار کررہے ہوں گے انہیں خدا سے متنبہ کرے گا سو جو اس وقت اپنے اعمال ٹھیک کرے گا وہی انسان قدر کے لائق ہوگا۔وہ پاکیزگی کی راہ کو ہموار کرے گا۔‘‘

(وشنو پرانا 4:24 صفحہ 498)

اسی طرح زرتشت ازم کی کتب میں ایک مصلح کا ذکر ملتا ہے جس کو Saoshyant کا نام دیا گیا ہے۔چنانچہ لکھا ہے کہ

’’وہ نبی جس کا ظہور سوشانت اور استوت اریتا کے نام سے ہوگا ۔اس کا ظہور اس پوری مادی دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوگا۔ استوت اریتا کا ظہور اس لئے ہوگا کہ وہ اس مادی دنیا کو زندہ کرے گا جو ہلاک ہوچکی ہے۔‘‘

(Khordeh Avesta Farvardin Yasht:129 page 249)

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

’’نبی سوشیانت کا ظہور اس لئے ہوگا تاکہ وہ بُرے لوگوں کا سامنا کرے جن کی فطرت شیطانی ہے اور متقی لوگوں کے خلاف جو بُرائیاں یا نقصان دہ چیزیں جنم لے رہی ہیں ان کا خاتمہ کرسکے۔تاکہ شیطان اور بُرے لوگوں کی وجہ سے جو بُرائیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کو ختم کرسکے۔مستقبل میں آنے والا نبی روحانی مُردوں کو زندہ کرے گا۔‘‘

(Khordeh Avesta Farvardin Yasht 13:129 page 249)

سوشیانت کامطلب مستقبل کا محسن ہے۔ چنانچہ زرتشت ازم والے آنے والے مسیح کو اس نام سے پکارتے ہیں۔اسی طرح مزید لکھا ہے کہ

یعنی حضرت زرتشت نیکی کے خدا (بقول زرتشت ازم) اہورمزد سے پوچھتے ہیں کہ کب وہ وقت آئے گا جب یہ مادی دنیا ٹھیک ہوگی اور سیدھے راستہ پر آئے گی تو اہورمزد جواب دیتا ہے کہ 3000سال بعد ۔

(The Pahlavi Rivayat Accompanying the Dadestan i Denig volume 2 chapter 25:1,2 page 415)

حضرت زرتشت علیہ السلام کےزمانہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتاہے ۔بعض کے نزدیک 10قبل مسیح سے15 قبل مسیح ہے اور بعض کے نزدیک 6قبل مسیح کا زمانہ ہے۔چنانچہ اگر پہلی والی بات مانی جائے تو حضرت مسیح موعودؑ 3000سال بعد ہی آئے ہیں اور اور فارسی النسل بھی ہیں جیسے حضرت زرتشتؑ بھی فارسی تھے۔ اس طرح بدھ ازم والے بھی ایک آنے والے مسیح کے انتظار میں ہیں جس کو متیا کہتے ہیں اور اس کی آمد کے وقت کے حالات کچھ اس طرح بیان ہیں۔

“And in the time of those people this continent of Jambudipa (India) will be powerful and prosperous, and villages, town and cities will be but a cock’s flight one from the next. This Jambudipa, like Avici will be as thick with people the Varanasi of today will be royal city called Ketumati, powerful and prosperous, crowded with people and well-supplied .....And in that time ..... there will arise in the world a Blessed Lord, an Arahant fully-enlightened Buddha named Matteyya, endowed with wisdom and conduct, a Well-Farer, Knower of the world, incomparable Trainer of men to be tamed, Teacher of the gods and humans, enlightened and blessed , just as I am now. He will thoroughly know by his own super-knowledge, and proclaim, this universe with devas and maras and Brahmas,its ascetics and Brahmans, and this generation with its princess and people, just as I do now. He will teach the Dhamma, lovely in its beginning ,lovely in its middle,lovely in its ending , in the spirit and in the letter, and proclaim,just as I do now, the holy life in its fullness and purity.He will be attended by a company of thousands of monks, just as I am attended by a company of hundreds.”

(The Long Discourse of Buddha translation of Digha Nikaya chapter cakkavatti-sihanada sutta:23,25,26page 403-404)

21جون1945ء کے الفضل کے شمارہ میں اس پیشگوئی کا ترجمہ کچھ یوں لکھاہوا ہے کہ

’’اس موعود کے آنے کے وقت ہندوستان پورا مہذب اور آباد ہوگا۔چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر اس میں بکثرت آباد ہوچکے ہوں گے۔حتّٰی کہ ان کی آبادی اتنی گنجان ہوگی کہ مرغا ایک گھر سے دوسرے گھر چھلانگ لگا کر پہنچ جائے گا۔ نرکت(درخت) اور سرکنڈے کے بن کی طرح ہندوستان انسانوں کی آبادی سے بھر جائے گا۔ یعنی اس کے ویران مقامات بھی آبادہوجائیں گے ۔ اس زمانے میں ہندوستان میں ایک ایسارہبر آئے گا، جو کہ میتریا بدھ ہوگا۔ یعنی وہ مختلف اقوام میں حقیقی دوستی اور سچی معرفت الٰہی قائم کرے گا۔وہ ملہم روحانیت کے اعلیٰ اور ارفع مقام کا مالک اور دوسروں کو روحانیت و معرفت الٰہی حاصل کرانے والا ہوگا۔ جیساکہ آج میں ہوں۔وہ موعود دیو، برہما، برہمن وغیرہ سب قسم کے انسانوں سے بھرے ہوئے سارے جہان کی حقیقت خود سمجھ کر ان سب اقوام کو تبلیغ کرے گا۔جیساکہ میں آج اپنی قوم کو تبلیغ کررہاہوں ۔ وہ ایک ایسے واضح صاف اور آسان مذہب کو پیش کرے گا جو کہ خالص روحانیت اور توحید خالص کا حامل ہوگا اور وہ اپنے کئی لاکھ مریدوں کے ساتھ رہے گا ۔جیساکہ اس وقت میں کئی سو مریدوں کے ساتھ رہتا ہوں اور وہ ایسی بستی میں پیدا ہوگا جو کہ اپنے علاقے میں بطور نشان یا جھنڈے کے ہوگی۔

اس پیشگوئی میں مندرجہ ذیل باتیں قابل ذکر ہیں کہ

(1)وہ موعود ہندوستان میں پیدا ہوگا۔

(2)وہ آخری زمانے میں پیدا ہوگا۔

(3)اس وقت ہندوستان کی آبادی بہت بڑھی ہوگی۔

(4) اس وقت ہندوستان کے ویران علاقے بھی آباد ہو جائیں گے۔

(5)وہ ایک نہایت آسان اور توحید خالص کو پیش کرنے والا اور روحانیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچنے والے مذہب کو پیش کرے گا۔

(6) اس پر اس کی زندگی میں ہی بہت سے انسان ایمان لے آئیں گے۔

(7)اس کے بہت سے متبعین اس کے پاس آ کر رہیں گے۔

اب اگر غور کیا جائے تو تمام علامات بڑے زوروشور سے حضرت مسیح موعودؑ پر پوری اتر رہی ہیں۔

اسی طرح عیسائی بھی مسیح کی آمد ثانی کے انتظار میں تھے۔ چنانچہ نئے عہد نامہ میں لکھا ہے۔

’’جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا...اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔اور اس وقت زمین کی سب قوتیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے

دیکھیں گی۔"

(جدید عہد نامہ متی باب24آیت30،29،27)

اسی طرح مسلمان بھی مسیح ابن مریمؑ کے نزول کے منتظر تھے جیسا کہ قرآن اور احادیث میں آخری زمانہ میں مسیح محمدی کے بارے میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ان سب مذاہب کا دعویٰ ہے کہ جب ان کا روحانی مصلح آئے گا تو دنیا کو امن سے بھر دے گا نور ساری دنیا میں پھیل جائے گا اور ظلمت کے اندھیرے مٹ جائیں گے۔ اس روحانی مصلح کے آنے سے دنیا میں فساد ختم ہوجائے گا اور شیر اور بکری ایک ہی جگہ سے پانی پئیں گے۔لیکن یہاں سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں تمام مذاہب کے روحانی مصلح آگئے تودنیا میں امن کی بجائے فساد عظیم برپا ہوجائے گا۔اس طرح تو لوگ اور فتنوں میں مبتلاء ہوجائیں گے۔چنانچہ اس کا حل ایک ہی ہے کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا مصلح آئے جو پہلے تمام انبیاء کا بروز ہو اور وہ تمام اقوام کو ایک ہاتھ پر جمع کرے۔رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک مصلح آئے۔ کیونکہ پہلی امتوں کی تعلیمات تو ایک خاص وقت اور ایک خاص قوم کے لئے تھیں لیکن صرف اسلام ایسا عظیم الشان مذہب ہے جس کی تعلیمات تمام دنیاکے لئے ہیں۔چنانچہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی امت میں ہی ایک ایسا عظیم الشان مصلح پیدا ہوسکتا ہے جو تمام امتوں کو اسلام کے جھنڈے تلے لا سکے۔ چنانچہ اس آنے والے مصلح کے دو کام ہیں ایک تو امت مسلمہ کی اصلاح اور دوسری تمام اقوام کی اصلاح کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوکر تمام مذاہب کے لوگوں کے انتظار کو ختم کردیا۔چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں۔

"دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا ۔سو جیساکہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے۔میں آدمؑ ہوں، میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں،میں اسمٰعیلؑ ہوں، میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰ ابن مریمؑ ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ یعنی بروزی طور پر جیساکہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دیئے اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایایعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایوں میں ۔سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو۔"

(حقیقۃ الوحی،روحانی خزائن جلد22صفحہ521)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

"جو ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گزرا ہے جس کو رُدرگوپال بھی کہتے ہیں (یعنی فنا کرنے والا اور پرورش کرنے والا) اس کا نام بھی مجھے دیا گیاہے پس جیساکہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خداتعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد22صفحہ521)

تبرکات

حضرت مرزا بشیر احمدؓ

ایک نوجوان کے دو سوالوں کا جواب

کیا ابو جہل کا یہ لقب لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کے خلاف نہیں؟

جب حضرت عثمانؓ نے خلافت سے دستبرداری سے انکار کیا تو حضرت امام حسنؓ کیوں اس پر رضا مند ہو گئے ؟

(کراچی کے ایک نوجوان میاں عبدالمجید ناصر نے اپنے ایک خط میں دو سوال لکھ کر بھجوائے ہیں۔ ان سوالوں کا مختصر سا اصولی جواب دوسرے دوستوں کے فائدہ کے لئے ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔)

مکرم و محترم عبدالمجید صاحب ناصر۔کراچی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا خط موصول ہوا۔ اگر آپ سوچنے کی عادت ڈالیں تو آپ کو ان چھوٹے چھوٹے مسائل میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو بلکہ آپ خود ہی انہیں حل کر لیا کریں اور آپ کے علم میں بھی اضافہ ہو۔ ہم اپنے نوجوانوں سے یہی توقع رکھتے ہیں۔ بہرحال بہت مختصر طور پر بلکہ صرف اشارہ کے رنگ میں لکھتا ہوں۔

(1) پہلا سوال آپ کا یہ ہے کہ جب ابوجہل کا اصل نام اور تھا تو پھر لَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات:12)کے قرآنی حکم کے خلاف اس کا نام ابوجہل کیوں رکھا گیا ؟ سو اس کے متعلق یہ جاننا چاہئے کہ ابوجہل کیونکہ ایک عظیم الشان رسول بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کھڑا ہوا تھا اور اس نے آپؐ کی مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ا ور یہ مخالفت بھی حد درجہ مکروہ قسم کی نہایت جاہلانہ طریق کی تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے خدائی منشاء کے ماتحت اس کا نام ابوجہل رکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ گویا جہالت کا باپ ہے۔ یعنی جہالت میں انتہا تک پہنچا ہوا ہے اور اس میدان میں گویا ناپاک بچے پیدا کر رہا ہے۔ اور یہ نام کوئی طعنہ نہیں تھا بلکہ اس کی حالت کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ناپاک مخالفت اور جہالت اور فسادی کارروائیوں میں تمام اخلاق اور انسانی حدود سے تجاوز کر گیا تھا اور اسے امن اور انصاف اور دیانتداری کا کوئی پاس نہیں رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خدا کے عظیم الشان رسول تھے اور تمام صحابہؓ آپ کے ساتھ اور آپ کے ہم نوا اور تابع تھے اس لئے آپ کا یہ فیصلہ گویا ایک خدائی جج کا فیصلہ تھا اور بالکل حقیقت پر مبنی تھا۔ طعن نہیں تھا۔

باقی رہا یہ قرآنی ارشاد کہ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات:12) سو یہ بالکل درست ہے۔ مگر یہ ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو بلا سوچے سمجھے دوسرے لوگوں کا بلاوجہ یا عادتاً کوئی نام رکھ دیتے ہیں۔ اور اس میں طعن اور استہزاء کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ پس فرق ظاہر ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ابوجہل آنحضرت ﷺ کو محمدؐ کی بجائے نعوذباللہ مذمّم کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ سو ابوجہل کا نام خدا کی طرف سے اس کے اس ناپاک طعن کا جواب تھا اسے عام لوگوں کے القاب دینے سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔

(2) دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبرداری کو خدائی منشاء اور ارشادِ نبوی کے خلاف جانا اور سختی سے انکار کیا۔ بلکہ اس کی وجہ سے مرنا تک قبول کیا تو حضرت امام حسنؓ نے کیوں خلافت سے دستبرداری دے دی؟

سو اس کے متعلق یہ یاد رکھناچاہئے کہ اول تو حضرت عثمانؓ نے اپنے متعلق خدا اور رسولؐ کے اس ارشاد کی تعمیل کی کہ "خدا تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اور لوگ اسے اتارنا چاہیں گے مگر تم اسے نہ اتارنا" اور اس کے مقابل پر حضرت امام حسنؓ نے اپنے متعلق رسولؐ کے ارشاد کو پورا کیا جو یہ تھا کہ "میرا یہ بیٹا دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا"۔ پس دونوں سرخرو ہوگئے اور کوئی اعتراض نہ رہا۔

علاوہ ازیں حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اپنی خلافت کے استحکام سے پہلے تھی۔ اور استحکام سے پہلے کی دستبرداری جو ایک نیک غرض سے کی گئی ہو اور اس میں اعلیٰ جماعتی مفاد مقصود ہوں اور خلیفہ برضائے خود اس پر اتفاق کر جائے قابل اعتراض نہیں۔ قرآن شریف نے وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ (النور:56) کے الفاظ میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ تمکنت کے بعد خلافت کا استحکام ہوتا ہے۔اور چونکہ حضرت امام حسنؓ کا یہ فعل تمکنت سے پہلے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تھا اس لئے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مزید وضاحت کے لئے آپ اس بارے میں میری کتاب "سیرت خاتم النبیّینؐ حصہ دوم" کا آخری باب بھی جو خلافت کے متعلق ہے ضرور ملاحظہ کریں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری خلافت کے استحکام اور تمکنت سے پہلے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق تھی۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دستبرداری کا مطالبہ آپ کی خلافت کے استحکام اور تمکنت کے بعد تھا اور باغیوں کی طرف سے تھا۔ اور پھر یہ مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے صریح خلاف تھا۔ پس فرق ظاہر ہے۔

فَافْھَمُوْا وَتَدَبَّرُوْا وَلَا تَکُنْ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔فقط والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد

11جولائی 1960ء

(روزنامہ الفضل 27 جولائی 1960ء)

محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کے بچپن کے خود نوشت حالات

حضرت مصلح موعودؓ کی تربیت کے غیر معمولی انداز، تعلیم، کھیل اور روزمرہ کے معمولات

محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمدنے اپنے کچھ ابتدائی حالات رقم فرمائے تھے جو الفضل 5جنوری 1995ء کے شمارہ میں شائع ہوئے۔دوسری مرتبہ الفضل 2۔اگست 2004ء میں شائع ہوئے۔ اب یہ مضمون قارئین کی خدمت میں سہ بارہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ماں کی گود میں

میری پیدائش کی تاریخ 9مئی 1914ء ہے اور میرے والد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کا انتخاب برائے خلافت ثانیہ 14مارچ 1914کو ہوا خلافت کی مسند پر تشریف رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ نعمت کی وجہ سے میرے ابا جان حضرت مرزا بشیر الدین محموداحمدؓ نے میرا نام مبارک احمد رکھا (اس کا ذکر ہماری بڑی پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم نے مجھ سے کیا تھا) قبل اس کے کہ میں اپنے بچپن کا کچھ ذکر کروں اپنی والدہ کا تعارف بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

میری والدہ

میری والدہ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدینؓ جو حضرت مسیح موعودؑ کے اوّلین ساتھیوں میں سے تھے کی بڑی بیٹی تھیں۔ میرے نانا جان لاہور کے ایک امیر اور معزز خاندان کے فرد تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کرنے کے بعد ان کے خاندان نے ان سے قطع تعلق کرلیا تھا مگر آپ نے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ اپنی آمد کا بیشتر حصہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بھجوا دیتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے جاں نثار خادم اور آپ سے غیر معمولی پیار کا رشتہ تھا۔ جب میرے والد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی شادی کا وقت آیا تو حضرت مسیح موعودؑنے میری والدہ کا انتخاب فرمایا۔ اس طرح میری والدہ حضرت مسیح موعودؑ کی بہو بن کر دارِ مسیح موعود میں رونق افروز ہوئیں ۔ حضرت مسیح موعودؑ کو میری والدہ سے بے حد پیار تھا جس کا ذکر میری بڑی پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم نے متعدد مرتبہ مجھ سے کیا۔

نانا جان کا ذکر خیر

ابا جان کے خسر (میرے نانا جان) حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین کے وصال کے بعد حضرت اباجان نے جلسہ سالانہ 1926ء کے دوسرے دن یعنی27دسمبر1926ء کو جو تقریر فرمائی اس میں میرے نانا جان کے متعلق فرمایا:۔

’’اس دفعہ ہمارے سلسلہ میں سے چند دوست ہم سے جدا ہوگئے جن کے ساتھ بعض خصوصیات وابستہ تھیں ۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو ایسے زمانہ میں قبول کیا جبکہ چاروں طرف مخالفت زوروں پر تھی اور پھر طالب علمی کے زمانہ میں قبول کیا اور مولویوں کے گھرانہ میں قبول کیا۔ آپ کا ایسے خاندان کے ساتھ تعلق تھا کہ جس کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ سے دنیا کو روکیں ۔ اور اس وقت ساری دنیا آپ کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ پس ان کا ایسے حالات میں حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کرنا ان کی بہت بڑی سعادت پر دلالت کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پر مخالفت کا زمانہ ہی نہیں آیا۔ جب انہوں نے ایک دوست سے حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ سنا تو آپ نے سنتے ہی فرمایا کہ اتنے بڑے دعویٰ کا شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ نے بہت جلد حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کر لی۔حضرت صاحب نے ان کا نام اپنے بارہ حواریوں میں لکھا ہے۔ اور ان کی مالی قربانیاں اس حد تک بڑھی ہوئی تھیں کہ حضرت صاحب نے ان کو تحریری سند دی کہ آپ نے سلسلہ کے لئے اس قدر مالی قربانی کی ہے کہ آئندہ آپ کو قربانی کی ضرورت نہیں ۔

حضرت مسیح موعودؑ کا وہ زمانہ مجھے یاد ہے جبکہ آپؑ پر مقدمہ گورداسپور میں ہو رہا تھا اور اس میں روپیہ کی ضرورت تھی۔ حضرت صاحب نے دوستوں میں تحریک بھیجی کہ چونکہ اخراجات بڑھ رہے ہیں ۔ لنگرخانہ دو جگہ پر ہو گیا ہے ایک قادیان میں اور ایک یہاں گورداسپور میں ۔ اس کے علاوہ اور مقدمہ پر خرچ ہورہا ہے لہٰذا دوست امداد کی طرف توجہ کریں۔ جب حضرت صاحب کی تحریک ڈاکٹر صاحب کو پہنچی تو اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن ان کو تنخواہ قریباً450روپے ملی تھی وہ ساری کی ساری تنخواہ اسی وقت حضرت صاحب کی خدمت میں بھیج دی۔ ایک دوست نے سوال کیا کہ آپ کچھ گھر کی ضروریات کے لئے رکھ لیتے تو انہوں نے کہا خدا کا مسیح لکھتا ہے کہ دین کے لئے ضرورت ہے تو پھر اور کس کے لئے رکھ سکتا ہوں۔ غرض ڈاکٹر صاحب تو دین کے لئے قربانیوں میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ حضرت صاحب کو انہیں روکنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہیں کہنا پڑا کہ اب آپ کو قربانی کی ضرورت نہیں ۔‘‘ (انوار العلوم جلد9صفحہ 402)

یہ تھے میری امی جان کے والد جن کی بڑی بیٹی کو حضرت مسیح موعودؑنے اپنے بڑے بیٹے کی رفیقہ حیات کے لئے منتخب فرمایا۔ اس طرح میری والدہ حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی بہو بن کر دارِ حضرت مسیح موعودؑ میں رونق افروز ہوئیں ۔ یہ بھی لکھ دوں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے رشتہ کے بابرکت ہونے کی اطلاع بخشی۔ جس کے بعد رشتہ طے ہوا۔ (رشتہ کے بابرکت ہونے کے الہام کے متعلق میری بڑی پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم نے ذکر کیا تھا)

الفضل کیلئے زیور کی قربانی

اس بارہ میں حضرت ابا جان کا اپنا بیان درج کر رہا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا کہ

’’میں بے مال و زر تھا۔ جان حاضر تھی مگر جو چیز میرے پاس نہ تھی وہ کہاں سے لاتا اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے۔ ان کی سستی کو جھاڑے۔ ان کی محبت کو اُبھارے۔ ان کی ہمتوں کو بلند کرے اور یہ اخبار ثریا کے پاس ایک بلند مقام پر بیٹھا تھا۔ اس کی خواہش میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے ثریا کی خواہش۔ نہ وہ ممکن تھی نہ یہ۔ آخر دل کی بے تابی رنگ لائی۔امید بر آنے کی صورت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں مدد کی تحریک کی۔ انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں روپیہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنوئیں میں پھینک دینا اور خصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمود ہو۔ جو اس زمانہ میں شاید سب سے زیادہ مذموم تھا۔ اپنے دو زیور مجھے دئیے کہ میں ان کو فروخت کر کے اخبار جاری کروں۔ اس حسن سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دئیے جن سے میں دین کی خدمت کرنے کے قابل ہوا اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے بھی ایک بہت بڑا سبب پیدا کر دیا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ سامان پیدا نہ کرتا تو میں کیا کرتا اور میرے لئے خدمت کا کون سا دروازہ کھولا جاتا اور جماعت میں روزمرہ بڑھنے والا فتنہ کس طرح دور کیا جا سکتا۔‘‘

اخبار الفضل کے اجراء کے لئے اپنا زیور دینے والی میری والدہ حضرت محمودہ بیگم تھیں۔ جو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی بیگم اور حضرت مسیح موعود کی بڑی بہو تھیں۔

باپ کے سایہ تلے

اب میں اپنے بچپن اور جوانی کے ابتدائی دور کے متعلق لکھ رہا ہوں جو بیشتر میری تعلیم و تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی ابتداء اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے بعد آپؑ کی زوجہ محترمہ میری دادی حضرت اماں جانؓ بہت اداس رہنے لگی تھیں۔ آپؑ کی اولاد آپؓ کا دل بہلانے کی بہت کوشش کرتی مگر حضرت اماں جانؓ پر غم اور اداسی کی شدت کم نہ ہوئی۔ آخر حضرت ابا جان نے اس کا علاج یوں فرمایا کہ ایک دن میرے بڑے بھائی مرزا ناصر احمد کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اماں جان کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ ناصر احمد آج سے آپ کا بیٹا ہے آپ کے پاس ہی رہے گا اس کی والدہ کو بھی میں نے کہہ دیا ہے کہ اب تم نے ناصر احمد سے تعلق نہیں رکھنا اب یہ اماں جان کا بیٹا ہے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ حضرت اماں جان کی اداسی دور ہو گئی۔ واضح رہے کہ ایک چھوٹی عمر کے بچے کو پالنا وقت لیتا ہے۔ توجہ چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے میری زندگی کا بابرکت دور شروع ہوتا ہے۔ ابا جان کی ساری توجہ میری طرف ہوئی اور میری زندگی کا ہر لمحہ ان کے زیر سایہ تربیت کا موجب بنا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا نتیجہ ہے ۔ اس جگہ یہ لکھنا ضروری ہے کہ ابا جان نے ہر سفر میں مجھے ساتھ رکھا والدہ ہمراہ ہوں یا نہ ہوں میں‌ہر سفر میں ساتھ رہا ہوں۔

تربیت کے چند واقعات

اب میں اپنی تربیت کے چند ایک واقعات کا ذکر کروں گا۔ ایک دن میرے ساتھ دو تین لڑکیاں صحن میں ایک گھریلو کھیل (آنکھ مچولی) کھیل رہی تھیں۔ مجھے کسی بات پر غصہ آیا اور میں نے ان میں سے ایک کے منہ پر طمانچہ مارا۔ عین اسی وقت اباجان مغرب کی نماز پڑھا کر صحن میں داخل ہو رہے تھے۔ آپ نے مجھے طمانچہ مارتے ہوئے دیکھ لیا۔ سیدھے میرے پاس آئے مجھے پاس کھڑا کرکے اس لڑکی کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مبارک نے تمہارے منہ پر طمانچہ مارا ہے تم اس کے منہ پر اسی طرح طمانچہ مارو۔ وہ لڑکی اس کی جرائت نہ کر سکی بار بار کہنے کے باوجود اس نے میرے منہ پر طمانچہ نہیں مارا۔ اس کے بعد آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو کہ اس کا باپ نہیں اس لئے تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ یاد رکھو کہ میں اس کا باپ ہوں۔ اگر تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو میں سزا دوں گا۔ (یہ ایک یتیم لڑکی تھی جس کو ابا جان نے اپنی کفالت میں لیا ہوا تھا) یتیموں سے حسن سلوک ان کی عزت اور احترام کا سبق تھا۔ جو میں کبھی نہیں بھولا۔ میری عمر اس وقت سات آٹھ سال کی تھی۔ یہ لکھتے ہوئے بھی وہ نظارہ مجھے یاد ہے۔

ابا جان کے ساتھ کھانا کھانا بھی تربیت اور اعلیٰ اخلاق کا موجب بنا۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے سب بچوں پر نظر رکھتے کہ جب ڈش سے کھانا نکالا ہے تو کیا اپنے سامنے والے حصہ سے نکالا ہے یا نہیں ۔ لقمہ منہ میں ڈال کر منہ بند کر کے کھانا چبایا ہے یا نہیں کھاتے وقت منہ سے آواز تو نہیں نکلتی۔ کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ صابن سے دھوئے تھے یا نہیں ۔ غرض کوئی پہلو بھی آپ کی نظر سے اوجھل نہ تھا۔بعض دفعہ میں حیران ہوتا تھا کہ خود تو کھاتے ہوئے ڈاک بھی دیکھتے جاتے ہیں۔ خطوط پر نوٹ بھی لکھتے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی لقمہ بھی منہ میں ڈالتے ہیں۔ نظر بھی نیچی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہماری ہر حرکت پر بھی نظر ہے۔ بہت کم خوراک تھی۔ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ آپ اتنا کم کھاتے ہیں۔ میں بھی کم کھانا کھایا کروں۔ میں نے آدھا پھلکا (پھلکا ہمارے گھروں میں بہت کم آٹے کی پتلی سی روٹی کو کہتے ہیں) کھانا شروع کیا۔ ایک دن مجھے فرمانے لگے میں ایک ماہ سے دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت کم کھانا کھاتے ہو تمہارے لئے مناسب نہیں تم ابھی بچے ہو۔ تمہاری نشوونما کی عمر ہے اس عمر میں پیٹ بھر کر کھانا چاہیئے۔ تھوڑا کھانا تمہارے قویٰ پر مضر اثر کرے گا۔ تمہارے پر بڑی ذمہ داریاں

پڑنے والی ہیں ۔ ان کو کیسے اٹھا سکو گے۔

ابتدائی تعلیم اور گھوڑے سے گِرنا

تعلیم کی ابتداء پرائمری سکول سے شروع ہوئی۔ پہلی کلاس سے ہی سکول کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کرجاتا تھا۔ایک دن اسی طرح گھوڑے پر سوار سکول جا رہا تھا۔ سکول سے چند گز کے فاصلہ پر ایک مکان زیر تعمیر تھا۔ جس کے لئے اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ لڑکوں نے گھوڑے کے سامنے اپنی تختیاں ہلا کر شور مچایا جس سے گھوڑا بدِک گیا اور سرپٹ دوڑا عین اس جگہ جہاں اینٹیں تھیں گھوڑے نے یکلخت راستہ بدلا اور میں کاٹھی سے پھسل کر اینٹوں کے ڈھیر پر جا گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ سر پر شدید چوٹیں آئیں ۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ابا جان نے بڑے ماموں جان حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیلؓ کو آدمی بھیج کر قادیان بلوایا۔ میں صحن میں ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ابا جان نے ماموں جان سے پوچھا کہ کیا اس کی بینائی واپس آ جائے گی۔ ان کا جواب تھا کہ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے چند روز دوائیاں دے کر دیکھ لیتے ہیں ۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت مجھے کچھ ہوش آ چکی تھی۔ یہ سن کر میں نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت اباجان نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ۔ شفا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے چند دن بعد ہی میں صحتیاب ہو گیا۔ اس حادثہ کے بعد یہ نہیں ہوا کہ مجھے گھوڑے پر سوار ہو کر سکول جانے سے منع کر دیا ہو بلکہ پہلے کی طرح میں گھوڑے پر سوار ہو کر ہی سکول جاتا تھا تاکہ کسی قسم کی بزدلی پیدا نہ ہو کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

ہائی سکول کی پرائمری کی چار کلاسیں مکمل کرنے کے بعد آپؓ نے مجھے مدرسہ احمدیہ میں داخل کروا دیا۔ مدرسہ احمدیہ میں انگریزی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک دن کھانے پر بیٹھے ہوئے انگریزی اخبار ’’سول اینڈ ملٹری گزٹ‘‘ پڑھتے ہوئے مجھے کہا کہ انگریزی زبان پر عبور بھی ضروری ہے۔ تم کو کھیلوں میں دلچسپی ہے آج سے تم مجھ سے اخبار لے لیا کرو اس کے جس صفحہ پر کھیلوں کی خبریں ہوتی ہیں ۔ وہ پڑھنا شروع کرو اور پھر آہستہ آہستہ اخبار کی باقی خبریں بھی پڑھنی شروع کر دینا۔ مجھ سے ہر روزسوال کرتے تھے کہ آج کے اخبار میں کون کون سی کھیلوں کا ذکر ہے۔اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ کرکٹ کا میچ تھا تو کس نے زیادہ رنز بنائے۔ کس باؤلر نے زیادہ وکٹیں لیں ۔ ہاکی کے میچ میں کس کس نے گول کئے وغیرہ ۔چند ماہ میں ہی آپ کو تسلی ہو گئی کہ میں اخبار اچھی طرح پڑھ لیتا ہوں اور سمجھ لیتا ہوں۔

میری پسند کا خیال

ایک دن فرمانے لگے کہ تمھیں کون سی ناولیں پڑھنے کا شوق ہے۔میں نے کہا جاسوسی کی۔یہ سن کر آپ نے اپنے ذاتی لائبریرین جن کا نام یحییٰ خان تھا کو بلایا اور ان سے کہا کہ مبارک آپ سے اپنی پسند کی کتابیں لے آیا کرے گا اور پڑھ کر واپس کر دیا کرے گا۔ آپؓ کی لائبریری میں سب علوم کی کتب موجود تھیں۔ جوں جوں انگریزی زبان میں ترقی کرتا گیا۔ مختلف علوم کی کتب پڑھنی شروع کر دیں۔ میری پسند کے مضمون تاریخ ، پولیٹیکل سائنس اور فلاسفی تھے۔

دریائے بیاس پر شکار

ہر سال جلسہ سالانہ کے بعد آپ دو اڑھائی ہفتہ کے لئے بیاس دریا پر شکار کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ جلسہ سالانہ کی مصروفیات جو روزانہ 19 گھنٹے سے کم نہ ہوتی تھیں کا تقاضہ تھا کہ جلسہ کے بعد کچھ آرام اور صحت مند تفریح بھی ہو جائے۔ ایک دن آپ کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ آپ نے ڈاکٹر حشمت اللہ کو کہا کہ میں آج دریا پر نہ جا سکوں گا آپ مبارک کو شکار کے لئے لے جائیں ۔ ہم دریا پر پہنچے کشتی میں سوار تھے کہ ہمارے اوپر سے دو ’’مگ‘‘ (بڑی مرغابی) اڑتے ہوئے جا رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ اگر آپ ان دونوں کو گرا لیں تو میں آپ کو ایک روپیہ انعام دوں گا ۔ ڈاکٹر صاحب نے فائر کیا اور وہ دونوں نیچے آ گرے۔ شام کو واپس گھر آئے میں تو ایک روپیہ کا وعدہ بھول گیا تھا مگر ڈاکٹر صاحب بھولنے والے نہ تھے۔ دو تین دن کے بعد ابا جان کو کہا کہ میاں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں قاز گرا لوں تو مجھے ایک روپیہ انعام دیں گے۔ انہوں نے ابھی تک مجھے روپیہ نہیں دیا جب آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو مجھے بلا کر فرمایاکہ تم نے ڈاکٹر صاحب سے جو وعدہ کیا تھا پورا نہیں کیا۔ یہ جائز نہیں ۔ یا وعدہ نہ کرو یا پھر اس کو پوراکرو۔ اسی وقت اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر مجھے دیا کہ ابھی جا کر ڈاکٹر صاحب کو یہ دے دو۔

سفر میں ساتھ ساتھ

جیسا کہ شروع میں ہی لکھ چکا ہوں کہ ابا جان نے ہر سفر میں مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ مولوی فاضل کے امتحان مارچ میں ہوتے تھے۔میں نے امتحان دینا تھا اور مجھے خوف تھا کہ کہیں مجھے... شکار پر ساتھ نہ لے جائیں ۔امتحان قریب ہے اس طرح امتحان کی تیاری پر برا اثر پڑے گا۔ آپؓ نے مجھے ساتھ جانے کے لئے نہیں کہا۔ مجھے تسلی ہو گئی۔ لیکن آپؓ نے پھیرو چیچی (ایک گاؤں تھا جو تقریباً سارے کاسارا احمدیوں کا تھا۔ اباجان اور قافلہ کی رہائش کے لئے ان دنوں سکول کو بند کر دیا جاتا تھا اور وہیں کچے کمروں میں آپ کا اور گھر والوں کا قیام ہوتا تھا) پہنچنے کے دوسرے روز ہی ایک ملازم کے ہاتھ خط بھجوایا۔ میں نے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ میں تمہارے لئے تانگہ بھجوا رہا ہوں۔ پہریدار بھی ساتھ ہوگا تم فوراً روانہ ہو جانا۔ یہ پڑھ کر مجھے بڑی پریشانی ہوئی کہ امتحان قریب ہے۔ شکار پر بلا رہے ہیں ۔ میرے امتحان پر برا اثر پڑے گا۔ بہرحال حکم تھا تعمیل تو کرنی ہی تھی۔ میں نے اپنے بکس میں ضروری کتب رکھ لیں۔ ہم پھیرو چیچی شام کے وقت پہنچے۔میں اندر گیا سلام کیا تو مجھے دیکھ کر پہچان گئے کہ ان دنوں مجھے بلانا اس کو اچھا نہیں لگا۔ ابھی میں کھڑا ہی تھا کہ فرمانے لگے چلو میں تمہیں تمہارا خیمہ دکھا دوں۔جہاں تم نے قیام کرنا ہے۔ خیمہ کا پردہ اٹھا کر مجھے کہا کہ دیکھ لو کوئی چیزرہ تو نہیں گئی؟سب کچھ تھا پلنگ پر مکمل بستر بچھا ہواتھا اور ایک میز ایک کرسی۔ مٹی کے تیل کا وہ لیمپ جس میں دو بتیاں ہوتی ہیں۔ انگیٹھی جس میں کوئلے دھک رہے تھے۔ گویا سب آرام کے سامان موجود تھے۔ یہ دکھا کر آپ واپس تشریف لے گئے۔ مجھے تسلی ہو گئی کہ کوئی فکر نہیں آرام سے میں امتحان کی تیاری کر سکوں گا۔رات اڑھائی بجے تک میں پڑھتا رہا۔ صبح نماز کے لئے جگانے کے لئے عبدالاحد خان صاحب آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ اب شکار کے کپڑے پہن لو شکار پر جانا ہے۔ دریا پر شکار کے لئے ایک چھوٹی کشتی جس میں دو یا زیادہ سے زیادہ تین آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ شکاریوں کے لئے خاص طور پر بنوائی جاتی تھی۔ ابا جان کے ساتھ میں اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب بیٹھے۔ میں تو کشتی میں لیٹ کر سو گیا ۔ جب دریا میں بیٹھی ہوئی مرغابیاں فائرنگ رینج میں آ گئیں تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے جگانے کی کوشش کی تو ابا جان نے فرمایاکہ ساری رات پڑھتا رہا ہے اس کو نہ جگائیں ۔ ظاہر ہے جو خود بھی رات کا بیشتر حصہ جاگتا رہا ہو وہی کہہ سکتا تھا۔ دراصل ابا جان رات کو دفتری کام کرتے تھے ڈاک قادیان سے روزانہ آتی تھی۔ دن کو اگر شکار کے لئے تشریف لے جاتے تو رات کا بیشتر حصہ جماعتی کام میں صرف ہوتا۔

یونیورسٹی میں اوّل

احمدیہ سکول کی آخری کلاس میں مولوی فاضل (انگریزی میں آنرز ان عربک کہا جاتا تھا) تھی۔ جو یونیورسٹی کا امتحان ہوتا تھا۔ میں اس امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل نمبر پر آیا تھا۔ نتیجہ کے اعلان سے قبل ہی اباجان پالم پور پہاڑ پر تشریف لے گئے تھے۔ ابا جان نے ایک کارکن کو ہدایت دی ہوئی تھی کہ نتیجہ کااعلان ہوتے ہی اس کی اطلاع آپ کو دی جائے۔ میرے یونیورسٹی میں اوّل آنے پر آپ بہت خوش تھے۔ اس خوشی میں آپ نے فیصلہ کیا کہ اگلے دن ایک پکنک کی جائے جو پالم پور سے چند میل کے فاصلے پر دیان کنڈ جو پہاڑ کی چوٹی ہے وہاں کی جائے گی اور میری طرف سے جملہ عملہ اور جو بھی مہمان آئے ہوئے ہوں دعوت میں شریک ہوں گے۔ میں تو عشاء کی نماز کے بعد سو گیا تھا۔ صبح کے وقت میری امی جان نے مجھے بتایا کہ تمہارے ابا تقریباًساری رات ہی پکنک کے لئے کھانے پکوانے اور نگرانی میں لگے رہے ہیں اور ایک میٹھا کھانا خود بھی پکایا ہے۔ مجھے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی اور میں نے عہد کیا کہ ایسے باپ کی مرضی کے خلاف میں کبھی کوئی حرکت نہ کروں گا۔ اس پکنک کی ایک اور بات بھی قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر اور عصر کی نمازوں سے فارغ ہو کر ابا جان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس خوشی میں ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا جائے گا جس میں ہر فرد۔ پرائیویٹ سیکرٹری کا عملہ۔ پہریدار وغیرہ سب شریک ہوں گے۔ اور اپنی اپنی نظمیں سنائیں گے۔ اور فرمایا میں بھی شریک ہوں گا اور جس کی نظم سب سے اچھی ہوگی اس کو میں انعام دوں گا۔ اس کے لئے دو جج مقرر فرمائے۔ ایک جج عبدالرحیم درد صاحب اور دوسرے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ ابا جان نے وضاحت کر دی کہ انعامی مقابلہ میں مجھے شامل نہ کیا جائے۔ سب ہی نے اپنی اپنی نظم سنائی۔قافلہ کے افرادمیں ایک پٹھان عبدالاحد خان صاحب جو افغانستان کے رہنے والے تھے احمدیت قبول کرنے کے بعد قادیان آ گئے تھے اور ابا جان کے پہریداروں میں سے تھے ابا جان کے فدائی، جاں نثار اور بے حد پیار کرنے والے تھے۔ جب کبھی ابا جان ان کا نام لے کر بلا تے ان کا جواب ہمیشہ ’’قربانت شوم‘‘ ہوتا تھا ۔ انہوں نے معذرت کی میں تو اردو بھی ٹھیک بول نہیں سکتا۔ شعر کیسے کہہ سکتا ہوں۔ابا جان کے اصرار پر کہ آج کوئی استثناء نہیں ہوگا اس پر انہوں نے یہ شعر کہے:؎

’’ڈپٹی کمشنر قد آور چاہئے اور حضرت کا غلامِ در چاہئے
کس نے پہنایا ہے اس کو کوٹ پتلون۔ اس کو تو پالانِ خر چاہئے‘‘

ججوں کا فیصلہ خان صاحب کے حق میں تھا۔چنانچہ ان کو اباجان نے نقدی کی صورت میں انعام دیا (یہ بھی لکھ دوں کہ ان دنوں ڈپٹی کمشنر بہت چھوٹے قد کا اور موٹا انگریز تھا۔

گرمیوں کے موسم میں آپؓ دو تین ماہ کے لئے پہاڑ پر ضرور جاتے۔سیروسیاحت کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ گرمی میں اتنا کام نہیں کیا جا سکتا۔ جتنا ٹھنڈے مقام پر۔ لکھتے لکھتے ایک واقعہ یاد آ گیا ۔ ایک مربی جن کو ملک سے باہر بھجوانا تھا روانگی سے قبل ہدایات لینے کے لئے ڈلہوزی آئے۔ان کو رخصت کرنے کے لئے ابا جان بسوں کے اڈے تک تشریف لائے۔ دعا سے قبل ابا جان کی نظر اس وقت کے ناظر صاحب تعلیم و تربیت کے ایک قریبی عزیز پر پڑی جو شیو کئے ہوئے تھے اور امام وقت کی موجودگی میں ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ آپ نے ان ناظر صاحب کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ تعلیم و تربیت کیا صرف دوسروں کے لئے ہے؟

کھیلوں میں دلچسپی

ابا جان نے مجھے کسی کھیل سے بھی منع نہیں فرمایا۔ قادیان میں ہاکی۔ کرکٹ۔ والی بال کھیلے جاتے تھے۔ کرکٹ تو عموماً صرف جمعہ کے دن یا جمعہ کے علاوہ چھٹی کے دن کھیلی جاتی تھی۔ کرکٹ کے لئے ہائی سکول اور احمدیہ سکول کی مشترکہ ٹیم تھی اور دوسری ٹیم دونوں سکولوں کے علاوہ جو بھی کرکٹ کھیلنا جانتے تھے ان کی ہوتی تھی۔ بڑوں کی ٹیم کے کپتان ذوالفقار علی خان صاحب تھے (ذوالفقار علی خان صاحب تحریک آزادی کے مشہور لیڈر ز علی برادران کے بڑے بھائی تھے) خان صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کی تھی اور یونیورسٹی کی کرکٹ ٹیم کے کیپٹن بھی رہے تھے (ٹکسالی اردو بولنے والے بزرگ جواحمدیت قبول کرنے کے بعد قادیان میں مستقل رہائش رکھتے تھے اور صدر انجمن احمدیہ میں ناظر تھے) باوجود عمر کے فاصلہ کے آپ خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے بچوں سے بہت پیارکرتے تھے۔ اور بے تکلف تھے۔ اس لئے ہم بھی کرکٹ کے میچ کے درمیان بعض دفعہ خان صاحب سے مذاق کر لیتے تھے۔جب بھی خان صاحب آؤٹ ہوتے ہم مذاق کرتے کہ خان صاحب آپ تو اتنے اچھے کھلاڑی ہیں آپ کیسے آؤٹ ہوگئے۔ خان صاحب کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا تھا کہ ’’میاں گیند پچک گئی اس لئے آؤٹ ہوا۔‘‘

برسات کے موسم میں اور سردیوں کے دنوں میں بھی کبھی بارش ہوجاتی تو فٹ بال ، کرکٹ ، ہاکی اور والی بال وغیرہ تو نہیں کھیل سکتے تھے۔ مگر عصر کے بعد نوجوانوں کے لئے مختلف کھیل کھیلنا لازمی تھا۔مثلاً کبڈی۔ میرو ڈبہ وغیرہ عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی نماز تک بہرحال کسی نہ کسی کھیل میں نوجوانوں کو مصروف رکھاجاتا۔ اس طرح نوجوانوں میں آوارگی کا رجحان بالکل نہ تھا۔

حضرت ابا جان نے احمدی نوجوانوں کی جسمانی نشوونما کے لئے ایک احمدیہ ٹورنامنٹ کاانعقاد بھی فرمایا تھا۔ جو تین روز کیلئے ہوتا تھا۔

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
0044 74 9378 5065
0044 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

احمدیہ سکول اور ہائی سکول کی ٹیموں کے درمیان میچ ہوتے تھے۔ احمدیہ سکول کی ہاکی ٹیم کا میں کپتان تھا۔ ان کھیلوں میں ہاکی، فٹ بال، والی بال ،رسہ کشی اور دوڑیں شامل تھیں۔ آپ خود بھی میچ دیکھنے تشریف لاتے۔ اس طرح دونوں ٹیموں میں مقابلہ بڑے جوش سے ہوتا۔ ٹورنامنٹ کے اختتام پر انعامات بھی آپ خود تقسیم فرماتے۔ کھیلوں کے مقابلوں کے علاوہ گرمیوں میں نہر کا ٹرپ بھی ہوتا۔ مجھے بھی آپ نے خود تیرنا سکھایا ۔ نہر پر تیراکی کے مقابلے ہوتے۔ جن میں خود بھی شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ آ پ نے اعلان فرمایاکہ آج مقابلہ ہوگا کہ کون سب سے دور تک نہر میں بغیر زمین پر پیر لگائے تیرے گا۔ ایک سو کے قریب نوجوان اور بڑے بھی مقابلہ میں نہر میں اُترے جو شامل نہ ہوئے تھے وہ کنارے کنارے ساتھ چلتے جا رہے تھے۔جو تھک جاتے تھے نہر سے باہر آ جاتے تھے۔ مگر ابا جان لگاتار تیرے جا رہے تھے۔ آپ جب نہر سے باہر نکلے ہیں۔تو صرف آپ ہی تھے۔ جو تقریباً ایک میل تک بغیر زمین پر پاؤں لگائے تیرتے رہے تھے۔ ان کھیلوں کا مقصد دراصل جماعت کے نوجوانوں کی جسمانی قوت کومضبوط کرنا تھا تا وہ بڑے ہو کر ہر قسم کی سختی برداشت کرنے کے قابل ہوں جسمانی قوت اور دینی قوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک روز آپؓ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ ہاکی کے ایک میچ کا انتظام کرو۔ ایک ٹیم مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے بہترین کھلاڑیوں پر مشتمل ہواور دوسری طرف مغل کھلاڑیوں پر۔ حکم کی تعمیل تو کرنی ہی تھی۔ مگر مجھے گیارہ ہاکی کھیل سکنے والے مغل نوجوان نظر نہیں آتے تھے۔ ہم چار پانچ ایسے تھے جو ہاکی اچھی کھیل سکتے تھے۔ باقی صرف خانہ پوری تھی ۔ میچ دیکھنے کے لئے ابا جان خود تشریف لائے۔ گراؤنڈ کے ایک طرف دونوں سکولوں کے طلباء اپنی ٹیم کو شاباش دینے کے لئے موجود تھے اور ہماری طرف ہمارے خاندان کے بزرگ اور دیگر احمدی دوست۔ میچ شروع ہوا۔ پہلے ہاف میں ہم تین گول سے ہار رہے تھے میں مغل ٹیم کا کپتان تھا۔ اس وقفہ میں میں نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ مجھے تو بڑی شرم آرہی ہے۔ اب یوں کرتے ہیں کہ فارورڈ اور بیک دونوں پوزیشنیں ہم چار پانچ سنبھال لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے دوسرے ہاف میں چار گول کر دیئے۔ اس طرح ہم ایک گول سے جیت گئے۔ یہاں یہ ذکر بھی کردوں کہ دونوں سکولوں کے طلباء اپنی ٹیم کو شاباش اورنعرے لگانے میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔ اس وقت عجیب نظارہ تھا کہ امام جماعت بیٹھے ہیں ان کے سامنے دوسری ٹیم کے حمایتی شور مچا رہے ہیں مگر اباجان، خاندان کے افراد اور دیگر دوستوں نے برا نہیں منایا۔ کھیل کھیل ہی تھی۔

ہاکی ٹیم کے کپتان

قادیان کی ہاکی ٹیم پنجاب کی بہترین ٹیم سمجھی جاتی تھی ایک مرتبہ ہاکی کی ٹیم ملک کے مختلف شہروں میں ہاکی میچ کھیلنے کے لئے تجویز کی گئی۔ اس کا بھی میں کیپٹن تھا۔پہلا میچ خالصہ کالج امرتسر کی ٹیم سے تھا۔ اس کے بعد متعدد شہروں میں جہاں ہاکی کی اچھی ٹیمیں تھیں میچ کھیلنے کا موقع ملا۔ ہم نے سوائے لدھیانہ کے سب میچ جیتے، میچ انگریزی فوج کے ٹریننگ سنٹر میں تھا۔ سارے انسٹرکٹر انگریز تھے۔ افسر اعلیٰ بھی انگریز جنرل تھاان دنوں اس جگہ ’’دھیان چند‘‘ نامی ایک فوجی ہندوستان کا ہاکی کا بہترین کھلاڑی تھا۔ کہتے ہیں کہ دھیان چند سے بہتر کھلاڑی کبھی پیدا نہیں ہوا یہاں ہم پانچ گول سے ہارے۔ سب انگریز افسران میچ دیکھنے گراؤنڈ میں موجود تھے ان کے جنرل کمانڈنگ آفیسر نے مجھ سے خواہش کی کہ آپ ایک رات یہاں ٹھہر جائیں ۔ اگلے دن پھر ایک میچ ہو جائے۔ آپ کی ٹیم جیسی اعلیٰ ہاکی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ کی ٹیم کوکھیلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہمارا یہ ٹور امرتسر سے شروع اور آخری میچ ہمارا علی گڑھ یونیورسٹی سے تھا۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں ایک میچ کے سوا ہم نے سب میچ جیتے۔ ہندوستان کے سب انگریزی اخباروں میں ہماری ٹیم کی تعریف لکھی گئی۔ ہندوستان کے اکثر اخباروں نے جلی سرخیوں میں ہماری ٹیم کی تعریف کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ عجیب لوگ ہیں دن میں ہاکی کے میچ کھیلتے ہیں اور رات کو جلسے کر کے دعوت الی اللہ کرتے ہیں۔ (سب اخباروں کے کٹنگ میں نے رکھے ہوئے تھے جو تقسیم ملک کے وقت قادیان میں رہ گئے)

یہ ہے تمہارا ریکٹ

قادیان کے قریب ایک گاؤں جس کا نام ’’نواں پنڈ‘‘ تھا۔ ہماری جدی جائیداد میں سے تھا۔ ابا جان نے وہاں ٹینس کورٹ بنوایا ہوا تھا۔ عصر کے بعد وہاں ٹینس کھیلنے جاتے اور مجھے ساتھ لے کر جاتے تھے کبھی بھی ناغہ نہیں ہوا۔ پندرہ بیس منٹ کے لئے مجھے ریکٹ دے دیتے کہ اب تم کھیلو جس ریکٹ سے آپ کھیلتے تھے وہ انگلستان کا بنا ہوا ’’ڈوھرٹی ریکٹ‘‘ تھا۔ جو اس زمانہ میں سب سے اچھا سمجھا جاتا تھا۔ انہی دنوں ابا جان نے ایک ڈوھرٹی ریکٹ لاہور سے منگوا کر میرے بڑے بھائی مرزا ناصر احمد صاحب کو دیا (میرے بھائی اباجان کے ساتھ کبھی ٹینس کھیلنے کے لئے نہیں گئے تھے۔ آگے پیچھے چلے جاتے ہوں گے) مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے ایک ملازمہ کے ہاتھ ابا جان کو خط لکھ کر بھجوایا کہ آپ نے بھائی کو ریکٹ منگوا کر دیا ہے مجھے نہیں دیا۔ مجھے حدیث یاد ہے جس میں ذکر ہے کہ کسی صحابیؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے بڑے بیٹے کو گھوڑا لے کر دیا ہے۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے استفسار فرمایا کہ دوسرے بیٹے کو بھی دیا ہے؟ صحابیؓ کے جواب دینے پر کہ صرف بڑے کو دیا ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے اس صحابیؓ کو فرمایا کہ یا تو دوسرے بیٹے کو بھی خرید کر دو یا جس کو دیا ہے اس سے بھی گھوڑا واپس لے لو۔ یہ نا انصافی ہے۔ ملازمہ واپس آئی تو میں نے پوچھا کہ ابا جان نے کیا جواب دیا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ آپ نے خط پڑھ کر رکھ لیا ہے کہا کچھ نہیں۔ اگلے ہی دن آپ دفتر سے گھر واپس آ رہے تھے اور ہاتھ میں ایک ڈوھرٹی ریکٹ پکڑا ہوا تھا۔ میرے پاس آ کر مجھے ریکٹ دے کر کہا کہ لو یہ ہے تمہارا ریکٹ۔ میں نے لاہور آدمی بھجوا کرتمہارے لئے منگوایا ہے۔ کیا شان تھی میرے اس محسن باپ کی۔

جماعتی اموال کی حفاظت

گرمیوں کے موسم میں زیادہ تر ڈلہوزی پہاڑ پر جاتے تھے۔ ڈلہوزی میں ایک چھاؤنی بھی تھی جو انگریز فوجیوں کے لئے تھی۔ ایک مرتبہ ایک انگریز جنرل نے پرائیویٹ سیکرٹری کے نام خط بھجوایا کہ میں امام جماعت سے ملنا چاہتا ہوں اگر وہ منظور کریں تو مجھے دن اور وقت سے مطلع کردیں تا میں وقت پر پہنچ جاؤں۔ ابا جان نے پرائیویٹ سیکرٹری کو ہدایت دے دی کہ ان کو لکھ دیا جائے کہ فلاں دن شام کی چائے میری ساتھ پئیں۔ چائے کے لئے جو کھانے کا سامان تھا وہ ڈلہوزی کے ایک یورپین ہوٹل سے منگوایا تھا۔ اس میں سے کافی بچ گیا ۔ پرائیویٹ سیکرٹری نے وہ ابا جان کو بھجوا دیا جو ابا جان نے اسی کارکن کے ہاتھ واپس بھجوا دیا۔ اور مجھے بلا کر فرمایا کہ پرائیویٹ سیکرٹری کو بلالاؤ ، پرائیویٹ سیکرٹری کو بلا کر ڈانٹا اور کہا کہ یہ جماعت کے روپیہ سے منگوایا گیا تھا آپ کو کیسے جرأت ہوئی مجھے بھجوانے کی۔ جماعت کے روپیہ سے خریدا گیا سامان اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے میں جائز نہیں سمجھتا یہ کارکنوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس واقعہ سے مجھے بھی سمجھا دیا کہ جماعت کے اموال کی حفاظت کرنی ہے اس طرف نظر بھی نہیں کرنی۔

تربیت کی طرف توجہ

مختلف اوقات میں آپ نے میری تربیت کے لئے جو ارشادات فرمائے۔ ان میں غریبوں کی عزت، ان سے ہمدردی، حسب توفیق ان کی مدد ، یتامیٰ سے برابری کا سلوک، جھوٹ سے پرہیز نیز یہ بھی فرمایا کہ غریب انسان بھی اگر تمہیں ملنے کے لئے آئے تو اس کو کھڑے ہو کر ملنا ہے۔ ہر ایک کو خواہ اس کو جانتے ہو یا نہیں جانتے سلام کہنے میں پہل کرنے کی کوشش کرتے رہنا ۔ یہ آپس میں پیار ومحبت کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے ہم تین چار بھائی بہن جو شعور کی عمر کو پہنچ چکے تھے کو عشاء کی نماز کے بعد آپ کے پاس آنے کا حکم دیا اور ہمیں ایک کہانی سنانی شروع کی جو کئی ماہ تک جاری رہی۔ کہانی کا لفظ تو دراصل بچوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے تھا۔ دراصل یہ کہانی کلیۃً تربیتی پہلو لئے ہوئے تھی۔ بچوں کی توجہ کے لئے آپ کا دینی تعلیم کے مختلف اخلاقی و تربیتی پہلوؤں کو کہانی کا رنگ دینا ہماری دلچسپی قائم رکھنے کے لئے تھا۔ جس سے دینی تعلیم کے مختلف پہلو ایسے اجاگر ہوئے جو اس عمرمیں کتابیں پڑھنے سے نہ ہو سکتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپؓ نے ہدایت فرمائی کہ اب میں عشاء کی نمازکے بعد درس دوں گا۔تم سب بغیر ناغہ کے شامل ہو گے بہت تفصیل کے ساتھ ہمیں اس طرف متوجہ کیا جن میں حسن سلوک ، ادب آداب ،یتامیٰ کی خبر گیری، غریبوں کی خدمت، ماں باپ کی اطاعت ، سچ بولنا، دیانت و امانت کی حفاظت ، چغل خوری اور غیبت سے پرہیز ، بنی نوع انسان سے ہمدردی اور اخوت ، مہمان نوازی، ہمسایہ کے حقوق، تیمار داری ، ایفائے عہد ، تواضع ،انکسار ، شکر ، عفو ، ایثار ، عدل واحسان ، سوال کرنے کی ممانعت، غرض انسانی زندگی اور ہماری ذمہ داریوں کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ساتھ کے ساتھ ہمیں ہدایت فرماتے کہ ان باتوں کو کبھی نہ بھولنا اور ہمیشہ ان پر عمل کرنا۔ غرض انسانی معاشرہ کے مختلف پہلوؤں پر آپ نے ایسے انداز میں روشنی ڈالی جو میرے مستقبل کے لئے مشعل راہ تھی اور میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ۔ کاش ہماری جماعت کے ماں باپ اپنے بچوں کی تربیت ایسے رنگ میں کریں جو دنیا کے لئے ایک نمونہ ہو۔ (الفضل 5جنوری 1995ء)

اوقات طلوع و غروب

31مارچ 2020ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		5:00	18:35
مدینہ منورہ		4:57	18:37
قادیان	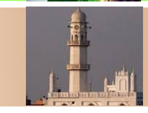	4:55	18:47
ربوہ	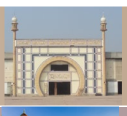	4:36	18:29
اسلام آباد ٹلفورڈ	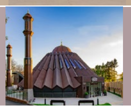	4:43	19:35